اوجِ کمال
شعبہ ابلاغِ عامہ، وفاقی اردو یونیورسٹی

بیسویں صدی کے اُردو ادبی رسائل کاعروج اور زوال

RISE AND FALL OF URDU MAGAZINES OF 20^TH^ CENTURY

ABSTRACT

This article offers a review of the Urdu magazines which flourished during the 20th century and witnessed their rise and fall during this period. A number of Urdu magazines rendered valuable services in the intellectual and creative field and encouraged numerous writers and poets, who, later on, became a symbol for upcoming generation for writers. The owners as well as editors of these magazines were those hard working personalities whose untiring efforts paved a clear path for the aspiring writers, who wanted to be an effective part of a creative world.

Moreover, those who contributed to this magazine of 20th century started from Lahore in April 1901 in the shape of a literary magazine entitled "Makhzan". After wards, during the first decade of 20th century (1900 to 1910 A.D), 50 literary magazines were brought out from various cities of India. Amongst them 10 magazines stood at the top and gained a wide popularity in the literary circles and general readers too. This inspiring journey of Urdu magazines continued till the end of 20th century. For the convenience of readers, a decade-wise detail of the Urdu magazines has been given in this article, which will also prove very helping for those who aspire to contribute more towards the under discussion.

یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ اردو ادبی رسائل کو عروج کے سو سال بھی نصیب نہ ہو سکے۔
بیسویں صدی کا آغاز اگر عروج کے سفر کا سالِ اول تھا تو بیسویں صدی کی آخری دَہائیاں اس کے ٹوٹ پھوٹ کے سفر کا آغاز ثابت ہوئیں۔ یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ ہم کسی بھی شعبہ میں زوال کے دوران خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتے اور رفتہ رفتہ آمادۂ زوال ہوتے جاتے ہیں۔

اردو ادبی رسائل، ایک ایسے شعبہ سے وابستہ ہیں جن کا کام ہی غور و فکر کرنا اور دور اندیشی سے

مسئلے کا حل پیش کرنا ہے لیکن بد قسمتی سے اس شعبہ سے دور اندیشی، کوسوں دور ہوتی جا رہی ہے۔

عروج و زوال کے مابین یہ فرق صاف نظر آتا ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں قابل قدر ادیبوں نے بیک وقت ادب اور صحافت کی لگامیں اپنے قبضے میں رکھیں، اہم رسائل نے موضوعات میں سمجھوتے سے نسبتاً کم کام لیا، تعدادِ قارئین پر گہری نگاہ رکھی، اہم لکھاریوں پر بے جا پابندیاں نہیں لگائیں، مواد پر غیر ضروری قدغن نہیں لگایا، ایجنڈ بلڈنگ کی، ملکی اور غیر ملکی ادب کو مناسب جگہ دی، قارئین کی پسند، ناپسند کو اولیت دی، معیار پر سمجھوتہ نہیں کیا، پابندیٔ اشاعت کا خیال رکھا گیا، صحافت کے جملہ اصولوں پر سودے بازی نہیں ہونے دی، ذوق و شوق اور لگن کو اولیت دی، جملہ اصناف کی باریکیوں کو سمجھتے ہوئے اُنہیں درست کر کے پیش کرنے کی کوششیں جاری رکھیں، مقابلے کی فضا برقرار رکھی جبکہ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آتے آتے اِنہیں رسائل اور دیگر نے گروپ بندی کو ہوا دی، مدیروں میں برداشت کا مادہ جاتا رہا، مدیروں میں رعونت کا مادہ بڑھتا گیا اور ادیب پیدا کرنے کی طرح ڈالی گئی، گروہی جھگڑوں کا آغاز کیا، ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنے کو ترجیح دی جانے لگی، نت نئے شاعر و ادیب پیدا کر کے اپنے اپنے کیمپ بنائے جانے لگے، اشتہارات کے بل پر تحریروں کو جگہ دینے کے وعدے وعید کیے گئے، کمزور تحریریں جگہ پانے لگیں، اس طریقۂ واردات کو سونگھنے کے بعد نئے نئے ادیبوں میں بھی ادبی رسائل کے اِجراء کی بابت ہمت پیدا ہوئی، سرکاری اور بھاری رقموں کے اعزازات پر اہل قلم ٹوٹ پڑے، حق تلفیاں کی جانے لگیں، نظریہ پیچھے چلا گیا، اصولوں کی پامالی ہونے لگی، مقاصد سوائے فروغِ ادب کے مردہ اعلانات کے سوا کچھ نہ رہے، ادبی تحریکوں کے علم پھینک دیے گئے، رجحان سازی سے نابلد ہو کر آئیں بائیں شائیں کی اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا، ہر کس و ناکس ڈیکلریشن لے کر گویا کمر کس کر میدانِ ادب میں اُتر آیا، 'کتابی سلسلہ' کے نام پر ادبی رسائل کی بھرمار ہو گئی، صحافتی اصولوں اور قوانین سے نابلد، میدانِ ادبی صحافت میں کود پڑے، صحافتی اخلاقیات دھری کی دھری رہ گئیں، مدیروں نے اداریہ لکھنے سے ہاتھ کھینچ لیا اس کے لیے بھی 'مہمان مدیر' کی اصطلاح ایجاد کر کے از خود بری الذمہ ہو گئے۔ عقیدت پر مبنی مسلکی اور جذباتی غیر معیاری شاعری اور تحریروں نے اسلام کی شکل بگاڑنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ باقی کسر سوشل میڈیا کی آمد کے ساتھ ہی ہر کس و ناکس شاعر و ادیب بن گیا اور خبطِ عظمت کا کُلاہ اپنے تئیں پہن لیا۔ اب ہر طرف چلتے پھرتے میرؔ، غالبؔ، اقبالِؔ، فیضؔ، انیسؔ، اکبر الہ آبادی، نیاز فتح پوری، منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، شوکت صدیقی، قرۃ العین حیدر، بانو قدسیہ اور مشتاق احمد یوسفی نظر آنے لگے ہیں اور فی زمانہ حالت یہ ہے کہ ایسے لکھاری خود کو اس سے کم کہلوانے پر تیار ہی نہیں ہیں۔

ادبی رسائل کے تابناک ماضی میں یوں تو کئی اہم ادبی رسائل نے جنم لیا۔اُن کے ساتھ ہی ایسے ادیب 'شخصیت' کی حیثیت اختیار کر گئے جن کے پیچھے شبانہ روز محنت ،فکر و نظر اور مطالعہ تھا۔ ان بزرگوں کی گفتگو، لفظیات، مشاہدہ اور تحریریں کسی بھی نوجوان ادیب کے لیے سرمایۂ حیات سے کم نہ تھیں۔

بیسویں صدی کے متعدد اردو ادبی رسائل کو معتبر گرداننے کا کلیہ ذمہ دارانہ موضوعات اور سنجیدگی میں مضمر ہے۔ یہاں ذمہ دار اہل قلم نے ادبی موضوعات کے ساتھ انصاف کیا اور اس عمل کو متوازن سوچ کے ساتھ آگے بڑھایا۔اساتذہ اور بزرگ ادیبوں نے انہیں سراہا اور رسالے کے مندرجات میں مستند اہل قلم کی تحریروں کی شمولیت نے ادبی رسائل کی وقعت میں اضافہ کیا۔ بعض ادبی رسائل کے مدیر، صحافتی اخلاقیات سے ناواقف اور غیر سنجیدہ رہے۔ایسے رسائل کو بزرگ اور مستند شخصیات کے فورم پر خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

مقبول عام رسائل میں ہر قسم کے اہل قلم کی تحریریں شامل ہوتی ہیں جو قاری کو پیش نظر رکھ کر شائع کی جاتی ہیں۔ جبکہ معتبر رسائل کے لیے مدیر اُن ہی تحریروں کو اولیت دیتا ہے جو نامور ادیبوں کی تحریر کردہ ہوتی ہیں۔البتہ عوامی مقبولیت کے حامل ادبی رسائل کو معتبر ادیب اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کا شائق بھی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات کہ معتبر و مستند ادیب مقبولِ عام رسالوں سے متاثر نہیں ہوتے۔اُن کی نگاہ میں مواد کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اس سفر میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ کون سا رسالہ اپنی علاحدہ شناخت میں معتبر ہے یا مقبول عام،تاہم بعض رسائل بیک وقت معتبر بھی رہے اور مقبولِ عام بھی مثلاً فنون،اوراق، سیپ، شب خون وغیرہ۔

عروج وزوال کے اس سفر میں معتبر رسائل صرف ادیبوں تک محدود ہیں کہ اُن کی رائے سے رسالہ معتبر ٹھہرتا ہے جبکہ عوامی مقبولیت کے حامل رسائل میں قارئین کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور ادیبوں کا کم، کیونکہ ادیب اپنی علمی سطح سے رسائل کو جانچتا ہے جبکہ قاری اپنی سطح سے چند رسائل کو عوام الناس قرار دیتا ہے۔

اس مقالے میں جن رسائل کو معتبر اور مقبول عام کی حیثیت حاصل رہی اُن کا ذکر ہر دہائی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ پیمانہ رسائل کے مطالعے ،مشاہدے اور شہرت کو جانچنے کے بعد کیا گیا ہے۔ موجودہ رسائل کے مدیران اس تفریق پر اعتراض بھی کر سکتے ہیں تاہم ڈاکٹر پیرزادہ قاسم نے خوابوں میں سفر کرنے والوں کے لیے کہا ہے کہ؎

اپنی تلاش کا سفر ختم بھی کیجئے کبھی

خواب میں جی رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں

عروج کا یہ سفر لاہور سے اپریل ۱۹۰۱ء میں 'مخزن' کی آمد سے ہوا جو ایک مکمل ادبی رسالہ تھا تاہم تاریخ کے پنّوں میں یہ حقیقت بھی محفوظ ہے کہ مکمل ادبی رسالے سے قبل نامکمل ادبی رسائل نے ہی مکمل کا راستہ اُستوار کیا۔ اکتوبر ۱۸۷۹ء میں پہلا نیم ادبی رسالہ 'تیرہویں صدی' آگرہ سے میر ناصر علی اور رحیم اللہ صابری کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس میں ادب کے ساتھ ساتھ سماجی و سیاسی مضامین کو بھی جگہ دی گئی۔ یہ رسالہ سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک سے بیزار تھا اور مخالفانہ مضامین سے دھجیاں اُڑانے پر کاربند تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ زبان بہت اچھی تھی اور اردو کی آبیاری میں ایک اہم ابتداء تھی۔ بقول ڈاکٹر انور سدید 'میر ناصر علی کی زبان شبنم سے دھلی ہوئی تھی' (۱)۔

پہلا مکمل ادبی رسالہ ۱۸۸۷ء میں مولانا عبدالحلیم شرر کا 'دلگداز' تھا جو لکھنو سے جاری ہوا تھا۔ 'دل گداز' کو 'مکمل ادبی رسالہ' کی سند سید سلیمان ندوی نے دی تھی (۲) جس میں اُنیسویں صدی کے اہم لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ عبدالحلیم شرر کی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔ مدیر کا اپنی ہی تحریروں کو اولیت دیتے ہوئے شائع کرنے کی بدعت کا آغاز بھی اسی پہلے ادبی رسالے سے ہوا۔ یوں مدیر احتساب کے عمل سے خارج ہو گیا اور اپنی ہر تحریر کو قابلِ اشاعت اور غیر کی تحریر کو ناقابلِ اشاعت کی سند سے نوازنے کا از خود محتسب بن گیا۔ جب تنقید کے بطن سے ناقد پھوٹا تو احتساب کے عمل نے شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، ڈراما نگار اور داستان گو پیدا کیے۔ میرؔ کو غم والم کا شاعر، غالب اور اقبالؔ کو فلسفی شاعر، نظیر اکبر آبادی کو عوامی شاعر اور فانیؔ کو یاسیت کا امام قرار دیا اور یوں قارئین کو اِن شاعروں کی عظمت سے آگاہ کیا۔ غالبؔ کی شرحیں لکھیں گئیں اور شعر میں شعریت اور کرافٹنگ کے احساس نے ان شاعروں کو عظیم سے عظیم تر بنا دیا۔ مشتاق احمد یوسفی کے لیے عہدِ یوسفی کی اصطلاح ایجاد کی گئی۔ اسی لیے غیر معیاری تحریروں کے خالقوں کے لیے اب یہ بات عام کہی جاتی ہے کہ 'عظیم شاعر وادیب کہلوانا مقصود ہو تو اپنا نقاد ساتھ لے کر آو''۔

'دلگداز' نے ادبیات ہی کو موضوع بنایا اور ادبی چاشنی سے لبریز مضامین، شاعری، افسانے اور تنقید کو جگہ دی۔ 'دلگداز' میں عاشقانہ اور خیالی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اُس کے تین جز تھے (۳)۔ جز اول میں خیالی اور تاریخی نوعیت کے مضامین، دوسرے جز میں ایک تاریخی ناول جو مولانا عبدالحلیم شرر ہی کا تحریر کردہ ہوتا تھا جبکہ تیسرے جز میں غیر اردو کے اعلیٰ ادبی فن پاروں کے اردو ترجمے ہوتے تھے جنہیں قاری نہایت شوق سے پڑھتے تھے۔ شرر ایک اعلیٰ مرتبے کے انشائیہ نگار تھے اُن کے انشائیے قارئین میں اپنی جگہ بنا چکے تھے یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے انشاپردازی سے قارئین کو بہت متاثر کیا۔

اُنہوں نے ' شہرِ خموشاں ' اور 'صحبتِ برہم ' جیسے انشائیے چھاپے جنہوں نے اردو کلاسک میں اپنی جگہ متعین کی۔ اُنہوں نے تحقیقی مضامین کی جانب بھی توجہ کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ تحقیقی مضامین سے 'دلگداز' کی وقعت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ 'دلگداز' اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ادبی رسالہ بن گیا تھا۔ شرر کا صحافتی تجربہ ۲۸ برسوں پر مشتمل تھا جب اُنہوں نے 'دل گداز' کا اجراء کیا۔ ۱۸۹۱ء میں شرر نے حیدرآباد دکن میں ملازمت اختیار کر لی اور 'دلگداز' بند کر دیا۔ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء سے 'دلگداز' دوبارہ حیدرآباد دکن سے شروع کیا اور یوں دلگداز کے دوسرے دور کا آغاز ہوا، جو ۱۹۲۶ء تک عبدالحلیم شرر کے انتقال تک جاری رہا۔ 'دل گداز' کا کارنامہ قارئین میں شعور جگانا تھا۔ اُنہوں نے قارئین کو آگاہ کیا کہ سنجیدہ ادب اور پھکڑ ادب کسے کہتے ہیں اور اُس زمانے کے فکاہیہ پنچ اخبارات و رسائل سے دور رہنے کی تلقین کی۔

'دل گداز' کے اجراء کے بعد سے ۱۹۰۰ء تک لگ بھگ ۶۵ ادبی و نیم ادبی رسائل ہندوستان بھر سے مزید جاری ہوئے۔ تاہم جو کام 'دل گداز' نے کیا وہ '۱۹۰۱ء میں لاہور سے مخزن' کے اِجراء تک دیگر ادبی رسائل ادا نہ کر سکے۔

'مخزن' اردو ادبی رسائل کا امام کہلایا جاتا ہے۔ یہ تین مقاصد لے کر چلا۔ اول 'اردو کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر محدود کرنے کے خلاف آواز اُٹھانا'، دوم 'اُردو کو اُردو کہلوانا اور ہندوستانی نہ کہلوانا' اور سوم ' نئی نسل کے ۲۳ سالہ نمائندہ شاعر اقبالؔ کا زیادہ سے زیادہ تعارف کرانا'۔ یہی مقاصد 'مخزن' کے معیار بھی ٹھہرے۔ معیار کا آغاز بھی 'مخزن' ہی سے ہوا۔ اقبالؔ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء تک تقریباً مسلسل شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۱۰ء میں شیخ عبدالقادر بہت مصروف ہو گئے اور لندن چلے گئے تو 'مخزن' مختلف مدیروں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ چنانچہ اقبالؔ ۱۹۱۷ء تک کبھی کبھی شائع ہوتے رہے۔ 'مخزن' میں ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۷ء اقبالؔ کے کل ۸ مضامین، ۱۵ غزلیں اور ۶۳ نظمیں شائع ہوئیں۔ اقبالؔ ایک بڑے شاعر تھے اُنہوں نے اپنے پہلے مجموعہ کلام 'بانگِ درا' کا مقدمہ شیخ عبدالقادر ہی سے لکھوایا اور یوں یہ ایک بڑے شاعر نے، ایک مدیر کو تسلیم کرنے کا شائستہ اظہار کیا۔

شیخ عبدالقادر نے مخزن کے ادارۂ تحریر میں ایسے اہلِ قلم کو شامل کیا جو بعد ازاں نہایت نامور ادیب بنے، اس صورت کو دیکھتے ہوئے لوگ انہیں شاعر گر اور ادیب گر کہنے لگے۔ جو اہلِ قلم مخزن سے روشناس ہوئے اُن میں علامہ اقبال، ظفر علی خان، اکبر الٰہ آبادی، سجاد حیدر، راشد الخیری، میر نیر نگ، نادر کاکوروی، داغؔ، آغا حشر، مرزا محمد ہادی رسوا، آغا حشر قزلباش اور عزیز لکھنوی شامل ہیں۔ مخزن کے قلمی معاونین میں مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالیؔ، مولانا ذکاء اللہ، وحید الدین سلیم، ابوالکلام آزاد، تلوک چند

محروم، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، سید احمد مولف فرہنگِ آصفیہ، دیانرائن نگم، محمود شیرانی، حفیظ جون پوری، خوشی محمد ناظر، طالب بنارسی، سرور جہاں آبادی، لالہ سری رام، نیاز فتح پوری، مولانا عبدالمجید سالک، سید امتیاز علی تاج اور ایم اسلم جیسے مشاہیرِ ادب شامل تھے (۴)۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی (۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۰ء) میں لگ بھگ ۵۰ ادبی رسائل شائع ہوئے، جن میں ۱۰ رسائل معتبر قرار پائے جبکہ ۲ رسائل عوامی مقبولیت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ یوں پہلی ہی دہائی میں ۲۰ فیصد ادبی رسائل معتبر ثابت ہوئے۔ عروج کی جانب گامزن سفر کی شروعات بہت عمدہ تھیں۔ ان رسائل میں شیخ عبدالقادر کا مخزن (۱۹۰۱ء، لاہور) مولانا حسرت موہانی کا اردوئے معلیٰ (۱۹۰۳ء، علی گڑھ) مولانا ابوالکلام آزاد کا لسان الصدق (۱۹۰۳ء، کلکتہ) مولانا ظفر علی خان کا افسانہ اور دکن ریویو (۱۹۰۳ء، حیدرآباد دکن) منشی دیانرائین نگم کا زمانہ (۱۹۰۳ء، کانپور) خواجہ غلام الثقلین کا عصر جدید (۱۹۰۳ء، لکھنو) مولانا شبلی نعمانی کا الندوہ (۱۹۰۴ء، شاہجہاں پور) علامہ راشد الخیری کا عصمت (۱۹۰۸ء، دہلی) اور مولوی عبدالحق کا افسر (۱۹۱۰ء، حیدرآباد دکن) شامل ہیں۔ مخزن اور زمانہ کو قارئین نے خصوصی توجہ سے پڑھا اور ادیبوں نے خاص طور پر بہت سراہا۔ یہ مقبولِ عام رسائل کی پہلی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ دیگر معیاری رسائل نے بھی زندہ ادب کو ترجیح دی اور ماضی کے دریچوں میں کم کم جھانکا۔ شاعری اور نثر کے موضوعات قابل غور رہے جن سے فکر و نظر کے در وا ہوئے۔ باقی ماندہ رسائل سطحی چال چلتے رہے جو فروغِ ادب کے زُمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلی ہی دہائی میں لاہور، علی گڑھ، کلکتہ، حیدرآباد دکن، کانپور، لکھنؤ، شاہجہاں پور اور دہلی سے معتبر رسائل نے گویا ہندوستان بھر کے ادبی حلقوں کو چونکا دیا اور قارئین تیزی سے ادبی رسائل کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۹۱۰ء تک جن مختلف شہروں میں دیگر ۴۰ ادبی رسائل کے ذریعے اردو زبان و ادب کی بازگشت ہوئی اُن میں گیا (بہار)، رامپور، نجیب آباد، میرٹھ، جے پور، اِلہ آباد، سکندر آباد، آگرہ، بمبئی، میسور، سیتا پور اور مدراس شامل ہیں۔ یہ تمام شہر اپنی اپنی کارکردگی کے باعث بعد ازاں مرکز ادب بننے کی جستجو میں مصروف رہے۔ تاہم مرکزِ ادب کا ہما بدستور حیدرآباد دکن، لکھنؤ، دہلی اور لاہور ہی کے سر پر بیٹھا رہا۔ پہلی دہائی میں ۲۰ فیصد معیاری ادبی رسائل کا اِجراء ہوا جو ایک قابل اطمینان صورت تھی۔

۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۰ء کی دوسری دہائی میں لگ بھگ ۷۰ ادبی رسائل جاری ہوئے۔ کئی نئے شہروں سے ادبی رسائل شروع ہوئے جن میں جالندھر، بھوپال، سہارن پور، لدھیانہ، فیروز آباد، پٹیالہ، انبالہ، پٹھان کوٹ، محمود آباد، اعظم گڑھ، دیوبند، امرتسر، چڑیا کوٹی، کرم آباد (پنجاب)، جادرہ، بدایوں، مراد آباد اور ناگپور شامل ہیں۔ دوسری دہائی میں اِن شہروں کے شامل ہونے سے اردو شعر و ادب اور زبان کو مزید

فروغ حاصل ہوااس کے ساتھ ہی نئے نئے ادیبوں کی آمد کا سلسلہ بھی ہر چھوٹے بڑے شہر سے جاری رہا۔ دوسری دہائی میں ۷۰ میں سے ۱۸ معیاری رسائل کا اجراء ہوا، جن میں تین رسائل اپنے دور کے نہایت مقبول بھی تھے۔ مقبول عام رسالوں میں معارف، ہزار داستان اور علی گڑھ میگزین تھے۔ معتبر ۱۸ رسائل میں مولانا راشد الخیری اور شیخ محمد اکرم کا تمدن (۱۹۱۱ء، دہلی) فتح محمد خان جالندھری کا اردو (۱۹۱۱ء، جالندھر) پیارے لال شاکر میرٹھی کا العصر (۱۹۱۱ء، لکھنو) شاہ نظام الدین دلگیر کا نقاد (۱۹۱۱ء، آگرہ) ناطق لکھنوی کا العلم (۱۹۱۳ء، کانپور) گوبند پرشاد احسان کا شاہد سخن (۱۹۱۳ء، حیدرآباد دکن) مصطفی خان بی اے کا ادب (۱۹۱۳ء، پٹیالہ) علامہ تاجور نجیب آبادی کا تاج الکلام (۱۹۱۴ء، نجیب آباد) مولانا عبدالمجید سالک کا فانوسِ خیال (۱۹۱۴ء، پٹھان کوٹ) عبدالحلیم شرر کا دل افروز (۱۹۱۵ء، لکھنو) مولانا سید سلیمان ندوی کا معارف (۱۹۱۶ء، اعظم گڑھ) عبدالحلیم شرر کا موّرخ (۱۹۱۶ء، لکھنو) امتیاز علی تاج کا کہکشاں (۱۹۱۸ء، لاہور) پنڈت برج نرائین چکبست کا صبحِ اُمید (۱۹۱۸ء، لکھنو) حکیم احمد شجاع کا ہزار داستان (۱۹۱۹ء، لاہور) مولوی عبدالحق کا الواعظ (۱۹۱۹ء، حیدرآباد دکن) رشید احمد صدیقی کا علی گڑھ میگزین (۱۹۲۰ء، علی گڑھ) اور خان محمد حسین کا شبابِ اردو (۱۹۲۰ء، لاہور) شامل ہیں۔ دوسری دہائی کا سرتاج اور نہایت مقبول رسالہ 'معارف' ٹھہرا جبکہ تمدن، دلگیر، فانوس خیال، موّرخ، کہکشاں، ہزار داستان، علی گڑھ میگزین اور شباب اردو کو قارئین کی توجہ حاصل رہی۔ دوسری دہائی کے معیاری رسائل کے دوران پہلی دہائی کے معیاری رسائل بھی سفر کرتے رہے البتہ چند ایک کی سانس ٹوٹ گئی۔ دوسری دہائی میں مزید ۲۵ فیصد نئے میعاری ادبی رسائل سامنے آئے جو مدیروں کی سخن فہمی اور قارئین کی ضرورت کو ظاہر کرتے ہیں۔

۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۰ء کے دورانیے کی تیسری دہائی بڑی باغ و بہار ثابت ہوئی۔ اِن دس برسوں میں ۱۱۲ مزید نئے ادبی رسائل جاری ہوئے۔ چند نئے شہر بھی حلقہ ادب میں شامل ہوئے مثلاً اورنگ آباد، ناسک، گورکھپور، ڈھاکہ، امروہہ، امرتسر، اترولہ گونڈہ، لائل پور (فیصل آباد)، پٹنہ، بریلی، اٹاوہ، پانی پت احمد آباد، ہوتی، دربھنگہ، سری نگر، پیلی بھیت، اجمیر، بجنور، کاٹھیاواڑ، ملتان، پشاور اور گوجرانوالہ۔ جن ۲۲ نئے معتبر رسالوں نے تاریخِ رسائلِ اردو ادب میں جگہ بنائی اُن میں مولوی عبدالحق کا اُردو (۱۹۲۱ء، اورنگ آباد) نیاز فتح پوری کا نگار (۱۹۲۲ء، بھوپال) میاں بشیر احمد کا ہمایوں (۱۹۲۲ء، لاہور) علامہ سیماب اکبر آبادی کا پیمانہ (۱۹۲۳ء، آگرہ) حکیم محمد یوسف کا نیرنگ خیال (۱۹۲۴ء، لاہور) حافظ محمد عالم کا عالمگیر (۱۹۲۴ء، لاہور) مرزا یاس یگانہ چنگیزی کا صحیفہ (۱۹۲۵ء، اٹاوہ) اختر شیرانی کا انتخاب (۱۹۲۵ء، لاہور) غلام محی الدین قادری زور کا مجلہ عثمانیہ (۱۹۲۶ء، حیدرآباد دکن) خواجہ حسن نظامی کا

منادی (۱۹۲۶ء، دہلی) ساغر نظامی کا پیمانہ (۱۹۲۶ء، لاہور) اختر شیرانی کا بہارستان (۱۹۲۶ء، لاہور) رشید احمد صدیقی کا سہیل اور ادبستان (۱۹۲۶ء، علی گڑھ) جوش ملیح آبادی کا کلیم (۱۹۲۸ء، دہلی) خوشتر گرامی کا بیسویں صدی (۱۹۲۸ء، دہلی) آغا جی اے گل کا ادیب (۱۹۲۸ء، پشاور) صبا اکبر آبادی کا آزاد (۱۹۲۸ء، آگرہ) علامہ تاجور نجیب آبادی کا ادبی دنیا (۱۹۲۹ء، لاہور) شاہد احمد دہلوی کا ساقی (۱۹۳۰ء، دہلی) اختر شیرانی کا خیالستان (۱۹۳۰ء، دہلی) علامہ سیماب اکبر آبادی کا شاعر (۱۹۳۰ء، آگرہ) اور رئیس امروہوی کا حیات (۱۹۳۰ء، امروہہ) شامل ہیں۔

تیسری دہائی میں عوامی مقبولیت کے اعتبار سے بھی نگار پہلی صف میں پورے وجود کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے جبکہ نیرنگ خیال، ادبی دنیا، ساقی اور شاعر بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ نگار نے ایک نسل کی آبیاری کی۔ علامہ نیاز فتح پوری کی روشن خیالانہ سوچ نے ادیبوں کو نئے زاویے سے دنیا کو دیکھنے کا درس دیا۔ عقلیت اور عقیدت کا فرق سمجھایا۔ قرآن نمبر شائع کر کے روشن خیالانہ تفسیر سے آگاہ کیا(۵)۔ اپنی تحریروں سے ملائیت اور اسلام کا فرق سمجھایا۔ اُن کی یہ تربیت انجمن ترقی پسند مصنفین میں شامل ادیبوں کے بہت کام آئی اور ترقی پسند ادیبوں کا راستہ صاف ہوتا گیا۔ اسی دہائی میں مزید تین بڑے ادبی رسائل 'نیرنگ خیال، ادبی دنیا اور ساقی' سامنے آئے جنھوں نے ادبی مزاق پیدا کیا اور ادب میں لافانی خدمات انجام دیں۔ یہ تینوں پرچے اپنا اپنا جداگانہ رنگ رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کے قاری جدا جدا تھے تاہم ادیب ہر ادبی رسالے کو اپنے مطالعے اور مشاہدے کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ اسی دہائی میں چند مزید اہم رسائل بھی نکلے جن میں ہمایوں، شاعر، عالمگیر اور خیالستان بھی تھے۔ مذکورہ دہائی میں ۲۰ فیصد معیاری رسائل جاری ہوئے جنھوں نے معیار کو مستحکم رکھا۔ ادبی رسائل کی آمد آمد ادیبوں کو منظر میں لانے کا باعث بنتی رہی۔ عروج کا سفر جاری رہا اور یہ احساس دلاتا ہے کہ ۸۰ فیصد ادبی رسائل فروغِ ادب میں اپنا کام نہایت ذمہ داری سے کر رہے ہیں۔

عروج وزوال کے اس سفر میں تین دہائیاں لگاتار عروج کی جانب گامزن رہیں۔ ہر رسالہ اپنے ساتھ چند نئے ادیبوں کا تعارف کراتا رہا۔ شاعر، نثر نگار اور نقادوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، اس طرح موضوعات کے تنوع نے نئے موضوعات کو جنم دیا۔ صوفیانہ فکر اور رومانیت میں رُکا ہوا سفر دار ورسن کی جانب بڑھنے لگا۔ مارکسیت کا آغاز ہوا تو بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کو ترقی پسندی کا سامنا کرنا پڑا اور ادبی رسائل رجحان سازی کی طرف جھولنے پر مجبور ہو گئے۔

۱۹۳۱ء تا ۱۹۴۰ء ذہنوں میں تبدیلی اور برصغیر میں مارکسیت کے تعارف کی دہائی تھی۔ عالمی منظر نامے میں تبدیلی نے ادیبوں کے موضوعات کو بھی بدل دیا تھا۔ منٹو کی تحریروں کو عریاں

نگاری لکھا گیا تو دوسری جانب وہ حقیقت پسندی سے تعبیر کیا گیا۔ اقبالؔ کے مسلمان کی آنچ تیز تھی تو سجاد ظہیر کی کاوشوں کی لو بھی سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ اقبال موضوعاتی نظمیں لکھ کر ایک طرف تو ملائیت کے خلاف صف آراء تھے تو دوسری جانب آدابِ فرزندی بھی سکھانے پر اصرار کر رہے تھے۔ وہ یہ درس بھی دے رہے تھے کہ 'غازی یہ ترے پُر اسرار بندے' تو دوسری جانب 'لینن کے حضور میں' نذرانہ عقیدت بھی پیش کرتے نظر آتے تھے۔ انتہا پسند مسلمان مولوی اقبالؔ کے جھانسے میں آ گیا اور اُس کی تحریروں سے اُس کی زاویہ نگاہی و پرتوں (Angling) کو سمجھ نہیں پایا۔ روشن خیال ادبی رسائل نے اقبالؔ کا بھرپور استقبال کیا کہ علامتوں و استعاروں کو ادیب سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا۔

چوتھی دہائی نے ادبی رسائل کی سوچ میں تبدیلی پیدا کی۔ ۶۵ نئے ادبی رسائل میدانِ ادب میں داخل ہوئے۔ نئے شہروں میں سیالکوٹ، راولپنڈی، راج گیر، ملتان، بنگلور، بھاولپور اور کیرالہ کا اضافہ ہوا۔ ۱۴ معتبر رسائل شائع ہوئے جن میں اصغر گونڈوی کا ہندوستانی (۱۹۳۱ء، الہ آباد) چراغ حسن حسرت کا شیرازہ (۱۹۳۱ء، لاہور) مجنوں گورکھپوری کا ایوان (۱۹۳۱ء، گورکھپور) پروفیسر تاثیر کا کارواں (۱۹۳۳ء، لاہور) چوہدری برکت علی کا ادبِ لطیف (۱۹۳۵ء، لاہور) علامہ تاجور نجیب آبادی کا شاہکار (۱۹۳۵ء، لاہور) اختر شیرانی کا رومان (۱۹۳۵ء، لاہور) مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا صدقِ جدید (۱۹۳۵ء، لکھنو) ساغر نظامی کا ایشیاء (۱۹۳۵ء، میرٹھ) قاضی عبدالودود کا معیار (۱۹۳۶ء، پٹنہ) جوش ملیح آبادی کا نیا ادب (۱۹۳۸ء، لکھنو) محی الدین قادری زور کا سب رس (۱۹۳۸ء، حیدرآباد دکن) علی سردار جعفری، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس اور کیفی اعظمی کا نیا ادب (۱۹۳۹ء، بمبئی) رئیس امروہوی کا جدت (۱۹۳۹ء، مراد آباد) اور سید عظیم الدین احمد کا معاصر (۱۹۳۹ء، پٹنہ) شامل ہیں۔ اس دہائی میں ۲۰ فیصد معتبر ادبی رسائل سامنے آئے۔ عوامی مقبولیت بھی ادبِ لطیف کے ہاتھ رہی۔ دیگر رسائل میں 'سب رس، معاصر، معیار اور رومان' جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے تاہم جو عزت افزائی اور شہرت 'مخزن، نگار، ادبی دنیا، ساقی اور نیرنگ خیال' کے حصے میں آئی، اس جیسی ہی مقبولیت و قبولیت ادبِ لطیف کو نصیب ہوئی۔ یہ ترقی پسند فکر کا آرگن تھا جس کی طویل خدمات اسے ترقی پسندوں میں معتبر بنا گئی۔

چوتھی ہی دہائی میں برصغیر میں کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے انگریزوں سے چھٹکارا پانے کے لیے تحریک کو مزید تیز کر دیا تھا بعد ازاں یہ دونوں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کی خون کی پیاسی ہو گئیں اور برصغیر میں کیف بنارسی کا شعر 'لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان' (۶) نعرہ کی شکل میں گلی گلی گونجنے لگا۔ پاکستان بنانے کے لیے مسلمان، ایک بڑے ملک کے حصے بخرے کرنے پر تُل گئے اور بالآخر پانچویں صدی کے آغاز ہی میں قرار دادِ پاکستان منظور ہو گئی اور ادبی رسائل ترقی پسندی

کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم فسادات و سیاست سے لبریز نظمیں، غزلیں، افسانے اور ناول لکھنے میں مگن ہو گئے۔

پانچویں دہائی (۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۰ء) میں محض ۶۰ نئے ادبی رسائل کا اِجراء ہوا۔ اس دہائی میں ادب دو نئے شہروں میں داخل ہوا جنکے نام کراچی اور شاہ پور ہیں۔ سیاسی حالات کی خرابی کے باوجود پرانے شہروں ہی سے مزید نئے رسائل جاری ہوئے۔ عروج کا سفر آگے بڑھتا گیا اور ان رسائل میں مزید چند رسائل اعتبار کی سند لے کر منظر پر آئے جن میں انیس الرحمن کا نئی زندگی (۱۹۴۱ء، اِلہ آباد) علی احمد کا داستان گو (۱۹۴۱ء، حیدر آباد دکن) الطاف علی بریلوی کا مصنف (۱۹۴۲ء، علی گڑھ) یوسف دہلوی کا شام (۱۹۴۳ء، دہلی) صہبا لکھنوی کا افکار (۱۹۴۶ء، بھوپال/کراچی) ممتاز شیریں، صمد شاہین کا نیا دور (۱۹۴۶ء، بنگلور) احمد ندیم قاسمی اور فکر تونسوی کا سویرا (۱۹۴۷ء، لاہور) غوث محی الدین کا سویرا (۱۹۴۷ء، حیدر آباد دکن) قیوم نظر کا نئی تحریریں (۱۹۴۸ء، لاہور) مجید لاہوری کا فکاہیہ نمکدان (۱۹۴۸ء، کراچی) محمد طفیل کا نقوش (۱۹۴۸ء، لاہور) وزارتِ اطلاعات کا ماہِ نو (۱۹۴۸ء، کراچی) یونس ادیب کا لالہ زار (۱۹۴۸ء، فیصل آباد) مولوی عبدالحق کا قومی زبان (۱۹۴۸ء، کراچی) ماہر القادری کا فاران (۱۹۴۸ء، کراچی) فارغ بخاری، خاطر غزنوی، قتیل شفائی کا سنگ میل (۱۹۴۸ء، پشاور) شورش کاشمیری کا نیم ادبی رسالہ چٹان (۱۹۴۸ء، لاہور) میرا جی اور اختر الایمان کا خیال (۱۹۴۹ء، بمبئی) شامل ہیں۔ ۱۸ رسائل کو اعتبار کی سند ملی جس کی شرحِ ۳۰ فیصد رہی۔ اِن رسائل میں اولاً ماہ نامہ افکار کراچی کو اعتبار اور قبولیتِ عام ملی، اس کے ساتھ ہی سہ ماہی نقوش اعتبار کے ساتھ ساتھ عوامی مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ گیا۔ نقوش معتبر، مستند اور معیاری ادیبوں کی پہلی ضرورت بن گیا۔ اس نے ادب میں جو گراں قدر کام کیے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ قومی زبان ایک مستقل شائع ہونے والا ادبی رسالہ تھا جو آج بھی اُسی آن، بان اور شان سے شائع ہو رہا ہے۔ تینوں نے ادیبوں کی کھیپ کی کھیپ پیدا کی۔ نقوش اور افکار ابتداء میں ترقی پسند فکر کے آرگن رہے۔ یہ دونوں سرسری تجزیے سے نہیں گزر سکتے۔ انجمن ترقی اردو کا سرکاری رسالہ بھی طویل مقالے کا متقاضی ہے جس نے نمایاں نقوش مرتب کیے۔ دیگر رسائل میں 'نیا دور، سویرا، نئی تحریریں، نمکدان، سنگ میل، چٹان اور خیال' شامل ہیں۔ 'افکار' ابتداء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا آرگن تھا جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگیا اور چند برس مزید آرگن رہنے کے بعد خود کو میانہ روی کا پابند کر گیا۔ نقوش کی بھی یہی رَوِش رہی اور اُس نے بھی قید و بند کے سلسلے دیکھنے کے بعد میانہ روی اختیار کی۔ افکار اپنی حیات کے آخر تک ترقی پسندی کا مظہر رہا اور کوشش کرتا رہا کہ ترقی پسندانہ خیالات پر مشتمل ادب شائع کیا جاتا رہے جس میں صہبا لکھنوی کامیاب رہے تاہم نقوش کے محمد طفیل نے بہت جلد ترقی پسندی سے چھٹکارا پالیا۔

ادبی رسائل کی چھٹی دہائی ۱۹۵۱ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیان کی ہے جس میں ۱۲۰ مزید نئے ادبی رسائل سامنے آئے۔ معتبر رسائل کی تعداد ۳۰ تھی اور پذیرائی و عروج بھی ۳۰ فیصد رہا۔ اس دہائی میں چند مزید نئے شہروں سے اجرائی عمل ہوا جن میں پٹن، چندی گڑھ، چکوال، کامتی اور کھنڈوہ شامل ہیں۔ جن رسائل کو اعتبار کی سند سے نوازا گیا اُن میں مولانا حامد علی خان کا الحمرا (۱۹۵۱ء، لاہور) مخدوم محی الدین کا نیا دور (۱۹۵۱ء، حیدرآباد دکن) رئیس امروہوی کا مشرب (۱۹۵۱ء، کراچی) سلمان الارشد کا الشجاع (۱۹۵۱ء، کراچی) منیر نیازی اور مجید امجد کا سات رنگ (۱۹۵۱ء، لاہور) سرور بارہ بنکوی کا قلم کار (۱۹۵۲ء، ڈھاکہ) ناصر کاظمی اور انتظار حسین کا خیال (۱۹۵۲ء، لاہور) عندلیب شادانی کا خاور (۱۹۵۲ء، ڈھاکہ) امریک آنند کا پگڈنڈی (۱۹۵۳ء، امرتسر) عزیز احمد کا سیارہ (۱۹۵۳ء،) طفیل ہوشیار پور کا محفل (۱۹۵۴ء، بہاول پور) مغنی تبسم کا شعور (۱۹۵۴ء، حیدرآباد دکن) سلیمان اریب کا صبا (۱۹۵۵ء، حیدرآباد دکن) جمیل جالبی، ہاجرہ مسرور کا نیا دور (۱۹۵۶ء، کراچی) حمایت علی شاعر کا شعور (۱۹۵۶ء، حیدرآباد سندھ) اختر انصاری اکبر آبادی کا نئی قدریں (۱۹۵۶ء، حیدرآباد سندھ) جون ایلیا اور زاہدہ حنا کا انشاء (۱۹۵۶ء، کراچی) مولوی عبدالحق اور سید ہاشم رضا کا لوح و قلم (۱۹۵۶ء، کراچی) تحسین سروری کا تجلی (۱۹۵۶ء، کراچی) سید عابد علی عابد کا صحیفہ (۱۹۵۶ء، لاہور) شمس زبیری کا نقش (۱۹۵۷ء، کراچی) فیض و سبطِ حسن کا نیم ادبی رسالہ لیل و نہار (۱۹۵۷ء، لاہور) آذر زوبی کا شعور (۱۹۵۷ء، کراچی) اشفاق احمد کا داستان گو (۱۹۵۷ء، لاہور) حامد علی خان کا کتاب نما (۱۹۶۰ء، دہلی) مجلہ ترقی اردو بورڈ، مدیر ممتاز حسن کا اردو نامہ (۱۹۶۰ء، کراچی) عندلیب شادانی کا ندیم (۱۹۶۰ء، ڈھاکہ) اور الطاف حسن قریشی کا نیم ادبی ڈائجسٹ ، اردو ڈائجسٹ (۱۹۶۰ء، لاہور) شامل ہیں۔ مذکورہ دہائی میں عوامی مقبولت کا حامل ادبی رسالہ نئی قدریں اور نیم ادبی رسالہ لیل و نہار تھا۔ اس دہائی کو اگر نئی قدریں کے نام سے منسوب کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

ساتویں دہائی یعنی ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۰ء میں مزید ۹۰ نئے ادبی رسائل تاریخ رسائلِ اردو ادب کا حصہ بنے۔ ادب کے مزید نئے شہر سامنے آئے جن میں ورنگل، کٹک، گجرات، منڈی بہاؤالدین، سرگودھا، جڑانوالہ، جامشورو سندھ، برہان پور، فیض آباد اور سکھر شامل ہیں۔ اعتباریت کی سند ۱۶ رسائل کو حاصل ہوئی جبکہ عوامی مقبولیت کا ہما فنون، اوراق، شب خون اور سیپ پر بیٹھا۔ جن رسائل کو ادیبوں کی جانب سے اعتبار کی سند حاصل ہوئی اُن میں شبیر بخاری کا الزبیر (۱۹۶۱ء، بہاول پور) احمد ندیم قاسمی کا فنون (۱۹۶۳ء، لاہور) نسیم درانی کا سیپ (۱۹۶۳ء، کراچی) فخر زماں کا بازگشت (۱۹۶۴ء، گجرات) سید قاسم محمود اور ابن انشاء کا کتاب (۱۹۶۶ء، لاہور) شمس الرحمٰن فاروقی (جمیلہ فاروقی) کا شب خون (۱۹۶۶ء، الہ آباد) وزیر آغا کا اوراق (۱۹۶۶ء، لاہور) علی سردار جعفری کا گفتگو (۱۹۶۷ء، بمبئی) احمد فراز کا داستان

(۱۹۶۷ء، پشاور)سید مجتبیٰ حسین کا شگوفہ (۱۹۶۷ء، حیدرآباد دکن)پروفیسر مجتبیٰ حسین کا بزم (۱۹۶۷ء، کراچی)صبا اکبر آبادی کا انجمن (۱۹۶۸ء، کراچی)اظہر جاوید کا تخلیق (۱۹۶۹ء، لاہور) زاہدہ صدیقی کا تحریریں (۱۹۷۰ء، لاہور)انور شعور کا حروف (۱۹۷۰ء، کراچی)اور حسین انجم کا طلوعِ افکار (۱۹۷۰ء، کراچی) شامل ہیں۔ عروج وزوال کے اس سفر میں عروج کی لو ابھی تیز تر رہی کہ ساتویں دہائی نہایت اہمیت کی حامل ثابت ہوئی۔ جس طرح تیسری دہائی میں لگاتار چار اہم ادبی رسائل جاری ہوئے جن میں نگار، نیرنگ خیال، ادبی دنیا اور ساقی شامل تھے، اسی طرح ساتویں دہائی میں فنون، اوراق، شب خون اور سیپ کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ یہ بیک وقت معتبر رسائل بھی تھے اور عوامی مقبولیت کے بھی حامل تھے۔ البتہ اس دہائی میں فنون، اوراق اور شب خون نے یہ ستم ظریفی کی کہ جہاں اُنہیں ادبی اور عوامی اعتبار اور پذیرائی حاصل ہوئی، وہاں یہ اگلی دو دہائیوں میں ادبی اور گروہی سیاست کا گڑھ بن گئے لاہور کے یہ دونوں رسائل قاسمی گروپ اور وزیر آغا گروپ کی گروہی سیاست میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ تابڑ توڑ ذاتیات پر حملوں کے بعد بس مغلظات شائع ہوتے ہوتے رہ گئیں۔ یہیں سے آنے والی دَہائیوں میں رسائل کی عوامی مقبولیت کا سفر ختم ہو گیا اور ادبی رسائل، ادیبوں تک محدود ہو گئے۔ عام غیر تخلیقی قارئین نے ادبی رسائل سے توبہ کی اور ڈائجسٹ اور ٹی وی ڈراموں میں پناہ ڈھونڈ لی۔ اب اگر رسالہ کسی کی ضرورت تھا تو وہ محض ادیبوں کی اور یوں شاعری، افسانہ، اور تنقید غیر تخلیقی قارئین سے دور ہو گئے۔ اُدھر ہندوستان میں شب خون نے جدیدیت کے نام پر ایسی ایسی تحریروں کو جگہ دی کہ جس کے بعد شاعر اور نثر نگار روایت سے ٹوٹتا چلا گیا اور مغرب کے ادب میں پناہ تلاش کرنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی ذہن اپنے مسائل کو بھی لایعنی تحریروں میں پیش کر کے فخر محسوس کرنے لگا۔ اوراق بھی آزاد نظم کی آبیاری کرنے لگا جس کے بعد شاعر خون تھوکنے کے باوجود پابند نظم کے قابل نہ رہے۔

آٹھویں دَہائی (۱۹۷۱ء تا ۱۹۸۰ء) پاکستان میں جمہوریت کی آمد و رفت اور مارشل لاء کی آمد کی دہائی ہے۔ اس دہائی میں جمہوریت کے علمبرداروں نے خوب لکھا اور ترقی پسند فکر کے چراغ کو اسلامی سوشلزم کا منہ دیکھنا پڑا جو مذکورہ دہائی کا ادیبوں کے منہ پر جمہوریت پسندوں کا طمانچہ تھا۔ اس عجیب و غریب مذاق کو ابھی سہنے کے سات ہی سال گزرے تھے کہ مارشل لائی ڈکٹیٹر نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر پوری قوم کو ایک تاریک اور بھیانک غار میں پھینک دیا۔ اسلام کی اصل روح سے نظریں چراتے ہوئے ملائیت کو عام کیا گیا اور عظیم مذہب سے بھیانک مذاق کیا گیا۔

آٹھویں دہائی میں صرف ۴۶ نئے ادبی رسائل کا اِجراء ہوا۔ نظام آباد، سہسوان، ہریانہ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ نئے شہروں کی صورت میں سامنے آئے۔ ۸ رسائل کو اعتبار کی سند حاصل ہوئی گویا

۱۷ فیصد رسائل کو اعتبار بخشا گیا جبکہ عوامی مقبولیت کی سند کسی ایک رسالے کو بھی حاصل نہ ہوئی۔اِن رسائل میں تسلیم احمد تصور کا سورج (۱۹۷۱ء، لاہور) رشید امجد کا دستاویز (۱۹۷۱ء، راولپنڈی) فہمیدہ ریاض کا آواز (۱۹۷۱ء، کراچی) شیخ صفدر علی کا شام و سحر (۱۹۷۴ء، لاہور) سبطِ حسن اور فہمیدہ ریاض کا پاکستانی ادب (۱۹۷۴ء، کراچی) عبداللہ ملک کا احتساب (۱۹۷۹ء، لاہور) جان کاشمیری کا قرطاس (۱۹۷۹ء، گوجرانوالہ) اور مشفق خواجہ کا تخلیقِ ادب (۱۹۸۰ء، کراچی) شامل ہیں۔مذکورہ رسائل میں پابندی سے شائع ہونے والے رسائل سورج، دائرے، شام و سحر اور قرطاس رہے ہیں جن میں اب صرف سورج اور قرطاس شائع ہو رہے ہیں۔باقی ماندہ رسائل محض فروغِ ادب کے مردہ نعرے کے تحت زندہ رہے۔

یہ دہائی جمہوریت اور مارشل لا کی آمد کے حوالے سے سنہری دہائی ثابت ہو سکتی تھی لیکن پاکستان میں پہلی جمہوریت کی آمد کی خوشی اتنی طویل منائی گئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے چھ برس بیت گئے اور آناً فاناً ڈکٹیٹر آ گیا۔مشرقی پاکستان کے المیے پر ادیبوں نے خوب لکھا اور ڈکٹیٹر شپ پر بھی اعلیٰ ادب ضبطِ تحریر میں لایا گیا لیکن اس دہائی پر ہنوز گزشتہ دہائی کے رسائل کا اثر زندہ رہا اور فنون، اوراق، شب خون اور سیپ کی موجودگی میں کسی دیگر رسالے کو عوامی مینڈیٹ پر قابض ہونے کا موقع نہیں ملا۔پاک و ہند کا ہر ادیب ان رسائل کے زیرِ اثر رہا اور قارئین بھی اِن کی محبوبیت کا حصہ بنے رہے۔یہی وجہ ہے کہ اس دہائی میں ۱۶ معتبر سائل میں سے کسی ایک رسالے کو بھی عوامی محبوبیت نہیں ملی۔

نویں دہائی ۱۹۸۱ء تا ۱۹۹۰ء کی بھیانک دہائی تھی جس میں عقیدت کی تحریروں کو عروج حاصل ہوا اور اہلِ قلم کا رابطہ حقیقت نگاری سے ٹوٹ سا گیا۔ترقی پسند فکر کے حامل ادیب، عقیدت پسندی کے آگے بند باندھنے میں ناکام رہے اور پوری قوم کو چودہ سو سال پیچھے دھکیلنے کی شعوری کوشش کے نتیجے میں ادبی رسائل بھی ان کے ہمنوا ہو گئے۔مذکورہ دہائی میں ۱۲۰ نئے ادبی رسائل سامنے آئے۔کچھ مزید نئے شہروں کو ادبی رسائل کے اِجراء کا اعزاز حاصل ہوا جن میں اسلام آباد، خانپور، پونا، چیچہ وطنی، لودھراں، جل گاؤں، کوہاٹی، حمزہ پور، خانیوال، کبیر والہ، سانگلہ ہل، کھاریاں، سرونج، مالیگاؤں، آسنسول، ساہیوال، کوہاٹ، بھاگلپور، بھیونڈی، کوئٹہ، دھرم شالہ اور بھو بھنی شور شامل ہیں۔اردو زبان و ادب کی چاشنی برِصغیر کے قریے قریے میں محسوس کی گئی اور ادبی رسائل کا اجراء کسی بھی حالت میں جاری رہا۔درج ذیل ۲۰ رسائل کو ادبی اعتبار حاصل ہوا۔۱۶ فیصد معتبر ٹھہرے جبکہ عوامی مقبولیت کسی بھی رسالے کے حصے میں نہیں آئی۔جن رسائل کو اعتبار کی سند حاصل رہی اُن میں مقتدرہ قومی زبان، مدیر: ڈاکٹر محی الدین کا اخبارِ اردو (۱۹۸۱ء، کراچی) اجمل کمال کا آج (۱۹۸۱ء، حیدرآباد) تاج سعید اور زیتون بانو کا جریدہ

(۱۹۸۲ء، پشاور) عتیق احمد کا توازن (۱۹۸۴ء، مالیگاؤں) ف س اعجاز کا انشاء (۱۹۸۵ء، کلکتہ) سیدہ حنا، نسیم سروش کا ابلاغ (۱۹۸۶ء، پشاور) ڈاکٹر رضیہ حامد، رفعت سروش کا فکر و آگہی (۱۹۸۶ء، دہلی) ثریا ہاشمی کا گلبن (۱۹۸۶ء، احمد آباد) اکادمی ادبیاتِ پاکستان کا ادبیات (۱۹۸۷ء، اسلام آباد) عذرا اصغر کا تجدید نو (۱۹۸۸ء، لاہور) شاہد شیدائی کا کاغذی پیراہن (۱۹۸۸ء، لاہور) حسن عابد، واحد بشیر کا ارتقاء (۱۹۸۹ء، کراچی) ڈاکٹر فہیم اعظمی کا صریر (۱۹۸۹ء، کراچی) شبنم رومانی کا اقدار (۱۹۸۹ء، کراچی) قمر جمیل کا دریافت (۱۹۸۹ء، کراچی) زبیر رضوی کا ذہن جدید (۱۹۸۹ء، دہلی) ناصر بغدادی کا باد بان (۱۹۹۰ء، کراچی) تاب اسلم کا ید بیضا (۱۹۹۰ء، سیالکوٹ) کرشن کمار طور کا سر سبز (۱۹۹۰ء، دھرم شالہ) اور بیگم ثاقبہ رحیم الدین کا قلم قبیلہ (۱۹۹۰ء، کوئٹہ) شامل ہیں۔ نویں دہائی عقیدت کے اظہار کی دہائی تھی جس میں ادبی رسائل نے حمد، نعتؐ، سلام اور منقبت کو زیادہ سے زیادہ جگہ دی۔ دینی تحریریں ادبی رسائل میں جگہ پانے لگیں اور مسلکی تحریروں نے فرقہ وارانہ فروغ کی کوششوں میں حصہ لیا۔

بیسویں صدی کی دسویں اور آخری دہائی (۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۰ء) پاکستان میں سیاسی تبدیلی کی دہائی تھی۔ ڈکٹیٹر کی حکومت کا خاتمہ ہوا تاہم اُس کے اثرات ادب سے بھی چمٹے رہے۔ مذکورہ دہائی میں آٹھ سال تک جمہوریت دو سیاسی جماعتوں کے ذریعے حکومت کرتی رہی۔ نئے نئے موضوعات سامنے آئے۔ عالمی منظر نامہ تبدیل ہوا اور خارجہ مسائل کے بعد تحریروں میں نیا پن پیدا ہوا۔ آزاد نظم کو قبول عام حاصل ہوا۔ نئی صبح اور نئے دور کی بابت خوش فہمیوں پر مشتمل تحریریں شائع ہوئیں۔ بیسویں صدی کے جاتے جاتے دو سال کے لیے بالآخر ایک بار پھر ڈکٹیٹر کی حکومت قائم ہو گئی اور پاکستان میں جمہوریت کو اگلے دس برسوں کے لیے پھر دھکیل دیا گیا۔ القاعدہ، طالبان، کشمیر، افغانستان، ایران، عراق، اسلامی بم، نائین الیون، جیسے خارجہ موضوعات ادب کا حصہ بنے۔ شاعری، افسانہ، ناول، ڈراما اور کہانیوں میں ان موضوعات کو جگہ ملنے لگی۔ پاکستان مخدوش حالات میں زندگی بسر کرنے لگا۔ ایسے میں اعلیٰ ادب لکھا گیا تاہم اعلیٰ تحریریں ہنوز فنون، اوراق، سیپ اور شب خون کا ہی حصہ بنیں۔ دسویں دہائی میں ۸۰ نئے ادبی رسائل کا اِجراء ہوا۔ جن شہروں سے پہلی بار اردو ادبی رسالہ شائع ہوا اُن میں راجن پور، شملہ، دھن آباد، اندور، ڈی آئی خان، میانوالی، صادق آباد، اعظم گڑھ، اٹک، بارک پور، لیہ اور گوالیار شامل ہیں۔ جن رسائل کو ادیبوں کی جانب سے اعتبار کی سند حاصل ہوئی اُن میں گلزار جاوید کا چہار سو (۱۹۹۱ء، اسلام آباد) خالد احمد کا بیاض (۱۹۹۱ء، لاہور) صفدر علی خان کا انشاء (۱۹۹۲ء، کراچی) راغب شکیب کا تمثال (۱۹۹۳ء، کراچی) مسرور احمد زئی کا عبارت (۱۹۹۳ء، حیدرآباد سندھ) قمر رئیس کا نیا ادبی سفر (۱۹۹۳ء، الہ آباد) اوجِ کمال کا دُنیائے ادب (۱۹۹۵ء، کراچی) محمود واجد کا آئندہ (۱۹۹۵ء، کراچی) احمد ہمیش کا تشکیل (۱۹۹۵ء

، کراچی) صبیح رحمانی کا نعت رنگ (۱۹۹۵ء، کراچی) اقبال سحر انبالوی کا رُشحات (۱۹۹۵ء، لاہور) ڈاکٹر ہلال نقوی کا رثائی ادب (۱۹۹٦ء، کراچی) مبین مرزا کا مکالمہ (۱۹۹٦ء، کراچی) نقوش نقوی کا سخنور (۱۹۹۸ء، کراچی) شکیل احمد خان کا لوحِ ادب (۱۹۹۸ء، حیدرآباد) سید منصور عاقل کا الاقرباء (۱۹۹۸ء ،اسلام آباد) فیصل عجمی کا آثار (۱۹۹۸ء، اسلام آباد) عنایت اللہ خان گنڈاپور کا عطاء (۱۹۹۸ء، ڈی آئی خان) حامدی کاشمیری کا جہاد (۱۹۹۸ء، سرنگر) عامر بن علی کا ارژنگ (۱۹۹۹ء، لاہور) ڈاکٹر آصف فرخی کا دنیازاد (۲۰۰۰ء، کراچی) احمد زین الدین کا روشنائی (۲۰۰۰ء، کراچی) عطاالحق قاسمی کا معاصر (۲۰۰۰ء، لاہور) شاہد شیدائی کا کاغذی پیراہن (۲۰۰۰ء ،لاہور) اور اطہر راز اور معراج جامی کا پرواز (۲۰۰۰ء ،لیوٹن برطانیہ) شامل ہیں۔ ۲۵ رسائل معتبر ٹھہرے جن میں چہار سو، نعت رنگ، رثائی ادب، مکالمہ، الاقرباء، دنیازاد اور روشنائی صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ دو دہائیوں کے بعد 'دُنیائے ادب' پہلا رسالہ تھا جسے عوامی مقبولیت حاصل ہوئی کہ یہ اخباری طرز کا ایک عوام الناس رسالہ ہے اور اس میں نئی نسل کو زیادہ متعارف کرایا جاتا ہے۔ یہ نئی نسل کا معتبر رسالہ قرار دیا گیا اور عالمی سطح پر ادب کے فروغ کا حصہ بنا جو ہنوز جاری ہے۔

رسائل کی کامیابی اور اہمیت کے پیچھے تحقیق کے بعد جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ کہ رسالہ محض سرمائے سے اہمیت اختیار نہیں کرتا بلکہ ایک انوکھا خیال ہی رسالے کو معتبر اور ہر دلعزیز بناتا ہے۔ یہ کلیہ کسی کسی کی سمجھ میں آیا اور جس نے بھی اس کلیے پر کام کیا اُس کے رسالے کو دوام حاصل ہوا و گرنہ بعض نہایت اہم اور نامور شخصیات کے رسائل بہت جلد دم توڑتے نظر آئے کیونکہ اُنہیں اعتبار اور عوامی مقبولیت نصیب نہیں ہوئی۔

ہمارا ادیب اور مدیر آج بھی اس بات کے لیے تیار نہیں ہے کہ ادبی رسائل کا سفر مائل بہ زوال ہے۔ وہ رسائل کے اجراء ہی کو رسائل کی کامیابی قرار دیتا ہے۔ بالکل اس طرح کہ افسانہ آج بھی لکھا جارہا ہے گویا زندہ ہے لیکن اُس کو آمادۂ زوال کہنے یا لکھنے کو آج بھی تیار نہیں ہے۔ وہ یہ ماننے کو بھی تیار نہیں ہے کہ قارئین نے افسانہ پڑھنے سے ہاتھ اُٹھالیا ہے۔ یہ بات ایسے ہی ہے کہ افسانہ نگار اپنا افسانہ لق و دق صحرا کو سناتا ہے اور سننے والا کوئی نہ ہو۔ ادبی تحریر تاثر اور تاثیر مانگتی ہے اگر تحریر اِن دونوں صفات سے خالی ہو گی تو آخری قاری بھی بالآخر اُٹھ کر چلا جائے گا اور محض ادبی رسائل رہ جائیں گے۔ پاکستان اور ہندوستان میں ادبی رسائل محض ادیبوں ہی کے لیے شائع ہو رہے ہیں۔ اِن میں غیر تخلیقی قاری کہیں نہیں ہے۔ تحریروں پر بے لاگ تبصرے اور تنقید لکھنے والے کہیں نہیں ہیں۔ نیاپن اور نیا موضوع کہیں نہیں ہے۔ جب تک ذریعۂ ابلاغ کا وصول کنندہ نہیں ہوگا، صحرا میں اذان دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بنا آبادی

کے سماج نہیں بنتا۔ لہذا ضروری ہے کہ ادبی رسائل کی آبادی میں اذان دی جائے نہ کہ ادیب آپس ہی میں اذانوں کا تبادلہ کرتے رہیں۔ ساتویں دہائی کے بعد مدیر عوام الناس سے کٹ کر زندگی گزار رہا ہے اور محض زندہ ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیاتِ پاکستان اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص۴۹

۲۔ شمشیر خان، پاکستان کے منتخبہ ادبی اردو رسائل کا تاریخی، تنقیدی و ادبی جائزہ، مطبوعہ ۱۹۷۰ء، انٹر نیشنل پریس کراچی، ص۲۷

۳۔ ایضاً

۴۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء ص۱۷۵

۵۔ شمشیر خان، پاکستان کے منتخبہ ادبی اردو رسائل کا تاریخی، تنقیدی و ادبی جائزہ، مطبوعہ ۱۹۷۰ء، انٹر نیشنل پریس کراچی، ص۳۹

۶۔ احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان کراچی، جلد دوم، قرطاس پبلشرز کراچی، ص۳۸۴